سید خرم بخاری
پی ایچ ڈی اسکالر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد۔
ڈاکٹر میمونہ سبحانی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد۔

اُردو فکشن اور پاکستانی سینما کا احیا و ارتقا

Syed Khurram Bukhari
Ph.D. Scholar, G.C University Faisalabad.
Dr. Mamuna Subhani
Associate Professor, G.C University Faisalabad.

Initiation and Evolution of Urdu Fiction and Pakistani Cinema

Film critics and researchers agree that films have a stronger affinity with fiction. According to 1992 statistics, 85 percent of all Oscar-winning best pictures are adaptations. From the birth of cinema to now, worldwide filmmakers inspired by fiction and tend to use Novels and short stories on screen. They incline to use fiction as source material because fiction is an attraction for people. Fiction presents ready-made material as well as pre-tested stories and characters. It is fiction that has made the cinema stand on its feet, therefore we must heed the role of fiction in the revival and promotion of the cinema. Fiction has always been an excellent inspiration for cinema all over the world. In Pakistan, novels and short stories are re-created on the silver screen several times. There is an excellent contribution of Fiction to the revival of cinema. As History points out that it was stories of fiction that were used to develop masterpieces in the film industry some of the examples are Mummy, Permasher Singh, Jhumkay, Gandasa, Licence, Gharnata, Ek Chadar Maili Si, Umrao Jan Ada, Akhri Chatan, Sapno ki rah guzar and many more. The basic structural units of fiction are commonly replicated in movies. These are a few samples of what literature brought to cinema. The influence of fiction on cinema is therefore undeniable. Hence, it will not be wrong to tell that fiction-

initiated person to move on to the cinema. Today fiction-to-cinema adaptation is a rhetorically and aesthetically autonomous product that shows its creator's unique perspective.

Key Words: *Urdu Fiction, Literature, Novel, Adoption, Creativity, Film, Cinema, Development.*

انیسویں صدی کی ایجادات میں سینما کو جادوئی حیثیت حاصل ہے تفریح، تعلیم وتربیت اور ذریعہ اظہار کے وسائل میں سینما اہم، مفید اور مقبول وسیلہ ثابت ہوا من جملہ خوبیوں کی بنا پر سینما کو دنیا کا آٹھواں عجوبہ کہا جاتا ہے۔Andre Bazin لکھتے ہیں:

> "The Cinema is an idealistic phenomenon"(۱)

سینما کی ایجاد نے پوری دنیا کو متاثر کیا اور دنیا میں تفریح حاصل کرنے کا اہم ذریعہ بن گیا۔ فلم تعلیم، تفریح، تشہیر اور ابلاغ عامہ کا انتہائی موزوں ذریعہ ہے۔ سینما کاروبار کے علاوہ بیک وقت ادب، آرٹ، انڈسٹری، تفریح، فنِ تعمیر فنون لطیفہ (ناچ گانا، بناؤ سنگھار، موسیقی، مصوری، فیشن وغیرہ) کا مجموعہ ہے۔ سینما نے اپنی پیدائش سے اب تک دوسرے فنون سے خاطر خواہ فوائد حاصل کیے۔ Alain Badiou لکھتے ہیں۔

> "It is absolutely true that cinema takes something from each of the other arts" (۲)

فلم ایک ایسا ذریعہ ابلاغ ہے جو براہ راست معاشرہ کے خاص وعام تک اپروچ رکھتا ہے اور اثرات کے اعتبار سے ایک ایسی حیثیت کا حامل ہے۔ جسے دوسرے فنون کی طرح فن برائے فن یا فن برائے زندگی کی بحثوں میں نہیں الجھایا جا سکتا۔ معاشرے میں متحرک تصاویر نے بیانیے کے ابلاغ میں اہم کردار ادا کیا۔ سینما نووارد شعبہ ہے جبکہ دیگر فنون کا وجود صدیوں پرانا ہے۔ فلم کے ذریعے تخلیقی لوگوں نے دنیا کو نئے تجربات دیئے۔ سینما نے جمالیاتی حس کی بیداری کے ساتھ لوگوں میں فلاح کا جذبہ پیدا کیا سینما پر اخلاقی، سماجی، نفسیاتی، تصوراتی، معاشرتی، روحانی اور تخلیاتی زندگی کے لاتعداد موضوعات کو ایک مخصوص فلمی گرائمر اور خاص الخاص تکنیک کی رعاتیں دے کر پیش کیا جاتا ہے۔ سینما کو ترقی اور عروج اس وقت ملی جب اس نے ادب کی طرف رجوع کیا۔ سینما کی پیدائش سے اب تک فکشن نے اہم کردار ادا کیا۔ منتظر قائمی " ادب اور سینما" میں رقم طراز ہیں۔

> " یہ سچ ہے کہ سینما نے اپنی پیدائش کے بعد سب سے پہلے جس شے کو دیکھا وہ ادب ہی تھا۔ "(۳)

گنز بک آف ریکارڈ کے مطابق دنیا کی پہلی فلم ۱۸۸۸ء میں فرانس کے ایک شخص لوئس لی پرنس نے "Roundhy Garden Scene" بنائی۔ یوں فلم انڈسٹری کا آغاز ہوا جبکہ ۱۸۹۹ء میں جیورج ملئیر نے فکشن پر مبنی فلم "Cinderella" بنا کر سینما کو تقویت بخشی یوں ابتدا سے ہی فکشن نے سینما کی ترقی ترویج میں اس کو سہارا دیا۔ ڈاکٹر خالد "Literature and cinema" میں لکھتے ہیں:

"Cinema seems to be more influenced by literature from an earlier, as if it were perceived to be more prestigious and high."(۴)

فلم ایک شعبۂ نو ہے جس کو وجود میں آئے ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ادب اپنے متنوع موضوعات کی بنا پر صدیوں سے لوگوں کی فہم و عقل کو منور کیے ہوئے ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہ ہو گا جس کی نمائندگی ادب نے نہ کی ہو۔ ادب ہمارے ظاہر و باطن کی تصویر کشی کرتا ہے گا منتظر قائمی لکھتے ہیں:

"ہر قاری جو سینما اور ادب سے بخوبی واقف ہے وہ چاہتا ہے کہ ہر اچھی تخلیق یعنی ناول، افسانہ اور کہانی کو فلم میں منتقل کیا جائے تاکہ اس کے قارئین کا حلقہ اور بھی بڑھے۔"(۵)

فکشن ادب کا ایسا نثری پیرایۂ اظہار ہے جو زندگی اور زندگی سے متعلقات کی نمائندگی کرتا ہے۔ فکشن کا ذریعہ اظہار کہانی بیان کرنا ہے۔ اس لیے کہانی کی فنی خوبیاں ایسی ہونی چاہیے جو کہانی کے ابلاغ میں مدد فراہم کریں اور قاری کو وہ دلچسپی فراہم کرے جس کی وجہ سے قارئین اکتاہٹ اور بیزاری محسوس نہ کریں۔ یہی بنیادی خوبی ہے جو سینما نے فکشن سے مستعار لی۔ فکشن کا زندگی سے گہرا تعلق ہے کیونکہ فکشن کا کام بنی نوع انسان کے گرد پھیلی زندگی کا منظر نامہ پیش کرنا ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے حالات و واقعات، اچھے اور برے پہلو، معاشرے کے سیاسی و سماجی حالات فکشن کے محرکات ہیں۔ زندگی کے پھیلنے اور سمیٹنے کو فکشن الگ الگ انداز میں پیش کرتا ہے۔ شہناز رحمن رقمطراز ہیں۔

" اردو میں فکشن کی اصطلاح ناول اور افسانہ دونوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جب کہ انگریزی میں صرف ناول کو فکشن کے دائرے میں رکھا جاتا ہے۔" (۶)

فلم کی حدود فن و ادب کے اندر ہی ہیں فکشن میں ناول پھیلانے کا اور افسانہ سمیٹنے کا فن ہے۔ یہ فکشن ہی ہے جس کی بدولت سینما اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا، ورنہ اتنے مختصر عرصہ میں کوئی بھی فن پروان نہیں چڑھتا۔ فلم کا شعبہ فکشن کے عکس کے بغیر ادھورا ہے ادب کے بغیر فلم کا فن وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا تھا جو دوسرے فنون کو حاصل ہے ہالی ووڈ (امریکہ، ہالی ووڈ) اور بالی ووڈ (انڈیا، بمبئی) میں فلم سازی کا آغاز ہو چکا تھا۔ مگر قیام پاکستان کے بعد پاکستان فلم صنعت لالی ووڈ (پاکستان، لاہور) کو نامساعد حالات کا سامنا تھا۔ پرویز انجم لکھتے ہیں:

"ہندوستان کے برعکس پاکستان میں فلم صنعت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔"(۷)

فلم سازی کی تمام سہولیات اور لوازمات ممبئی میں تھے لاہور میں صرف افرادی قوت تھی کیونکہ تقسیم کے وقت لاہور میں فلم سازی کا شعبہ فسادات کا شکار ہو گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد تقریباً نصف سال تک کسی نے فلم بنانے کا سوچا بھی نہیں اور تمام اسٹوڈیوز میں فلمی سرگرمیاں معطل رہیں اقبال راہی بھی پاکستان میں سینما کے نقوش ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۱۹۴۷ء میں پنچولی کے چلے جانے کے بعد دیوان سرداری لال نے ہدایتکار داؤد چاند کو لے کر دیوان پکچرز کے نام پر فلم "تیری یاد" شروع کی" (۸)

تیری یاد کے علاوہ "شاہدہ" فلم بھی بنائی گئی۔ ان دو فلموں کے علاوہ دو اور فلمیں بھی پاکستان بننے کے بعد اولین فلموں کی فہرست میں شامل ہیں۔ علی سفیان آفاقی رقم طراز ہیں:

" ۱۹۴۸ میں یہاں کی بنی ہوئی صرف چار فلمیں ریلیز ہوئی تھیں ان کے نام یہ تھے تیری یاد، ہچکولے، شاہدہ اور سچائی۔" (۹)

پاکستان میں سینما کی ترقی و ترویج کے لیے جو کوششیں بھی کی جارہی تھیں وہ تمام کی تمام ناکامی سے دوچار ہو رہی تھیں۔ ان حالات کا فائدہ انڈین فلموں کو ہوا۔ سجاد احمد سجاد رقم طراز ہیں۔

"تقسیم کے وقت پاکستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں سینما گھر موجود تھے جو لالی ووڈ کی فلمی صنعت کے بجائے بالی ووڈ کی فلمی صنعت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئے حتیٰ کہ وہ بالی ووڈ ہی کی فلموں کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔" (۱۰)

اس کی بڑی وجہ فسادات تو تھے ہی اس کے ساتھ ساتھ چند فلمی لوگوں کا رویہ بھی تھا کیونکہ وہ عوام کے مزاج کے مطابق وہ فلمیں پیش نہ کر سکے جن موضوعات پر فلموں کی اس وقت اور ان حالات میں ضرورت تھی

لوگ کچھ ہی عرصہ میں فلموں جیسی بہترین تفریح سے دور ہونا شروع ہو گئے۔ فیض احمد فیض پاکستان میں فلمی صنعت کے ابتدائی حالات کا جائزہ " فلم اور ثقافت " میں پیش کرتے ہیں۔

> "یہاں فلم سازوں کو فلم کی مخصوص خوبیوں سے سروکار نہیں۔ نہ انہیں یہ تشویش ہے کہ اس بارے میں غفلت یا کم توجہی سے کاروبار میں نقصان ہو گا۔ تجارتی فلم کا معیار فقط یہ ہے کہ جس فلم سے آمد اچھی ہو وہ اچھی ہے جس سے نہ ہو وہ بری ہے اگر یہ فلم فنی اعتبار سے بے ہودہ اور اخلاقی اعتبار سے مہلک ہے تو کیا ہوا فن اور اخلاق اور وغیرہ وغیرہ لوگوں کی نظر میں کاروباری معاملات نہیں ہیں فلم کی دنیا میں پہلا بنیادی فتور یہی ہے۔" (۱۱)

ایسی صورت حال میں فلم سازوں کا دھیان فنون لطیفہ کی طرف بھی گیا۔ کوئی بھی فلم فنون لطیفہ کا ملغوبہ ہوتی ہے۔ اس طرح فلم سازی کے لیے فنی مہارت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ پیشہ وارانہ مہارت سے امید کی جا سکتی ہے کہ فلم کامیاب ہو۔ اقبال راہی لکھتے ہیں۔

> "پاکستان میں اگر فلم سازی کی بات ہوتی ہے تو پہلے ہمیں فنون لطیفہ اور فلم سے متعلق ان پہلوؤں پر غور کرنا ہو گا جس کی بنا پر فلم نے ترقی کے مراحل طے کئے۔" (۱۲)

سینما کی بحالی کے لیے ایک تجربہ تھیٹر والوں نے بھی کیا ان کی طرف سے بھی عوام کے دلوں میں فلم کا رجحان پیدا کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کیں مگر سب بے سود ثابت ہوا۔ پاکستان کے قیام کے وقت فلم زبوں حالی کا شکار تھی فلم والے بھی تذبذب میں ڈوبے ہوئے تھے اور وسائل کی بھی کمی تھی اس لیے سینما زوال پذیر انڈسٹری بنتی جا رہی تھی حالانکہ فلم کی ابتدا سے ہی فلم والے فلم کی کامیابی کا فارمولہ جانتے ہیں۔ ان تمام تناظر کو مد نظر رکھ کر اگر پاکستان میں ریلیز ہونے والی فلموں کا جائزہ لیا جائے تو عیاں ہو گا فلم سازی کی ابتداء سے اب تک ریلیز ہونے والی فلمیں جن دہائیوں میں فکشن پر مبنی پیش کی گئیں وہ دور فلم کی ترقی اور ترویج کا دور رہا ہے۔ صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ہالی ووڈ (امریکہ) اور بالی ووڈ (انڈیا) انڈسٹریز میں بھی فلم کا احیا و ارتقا فکشن ہی کی بدولت ہوا۔ فضیل جعفری رقم طراز ہیں۔

> " فکشن کی تاریخ صدیوں پرانی ہے جب کہ ہالی ووڈ میں فلم سازی کی ابتداء انیسویں صدی میں اور بالی ووڈ میں بیسویں صدی میں ہوئی پلاٹ اور کردار سازی سے لے کر

منظر نگاری اور مکالمے تک فلموں میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب کچھ فکشن کا ہی عطیہ ہے۔" (۱۳)

فکشن فلم سازوں کے لیے راہ روکا کام کرتا ہے۔ پاکستان میں پہلی فلم تیری یاد ریلیز کی گئی جو کامیاب نہ ہو سکی پھر چند سال فلم کامیابی کی تلاش میں رہی۔ پہلی دہائی ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۶ء کیونکہ فلم انڈسٹری کے ابتدائی سال تھے۔ اس لیے اکثر اپنے اور غیر فلم کی صنعت کو ناپسندیدہ فعل کی مانند لیتے ہیں۔

دوسری دہائی ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۶ء کا آغاز صبح نو کی مانند ہوتا ہے۔ ۱۹۵۷ء میں فکشن پر مبنی پہلی فلم " یکے والی" پیش کی گئی۔ جس کا مرکزی خیال سعادت حسن منٹو کے افسانے " لائسنس" سے لیا گیا۔ اس بات کا ذکر پرویز انجم نے اپنی کتاب "منٹو اور سینما" میں کیا ہے یہ فلم ناظرین کو بہت پسند آئی۔ ظفر اقبال میاں لکھتے ہیں۔

" دلیپ کمار کی " داغ " اور مسرت نذیر کی " یکے والی " ایک ساتھ ریلیز ہوتی ہیں دونوں عوام میں مقبولیت حاصل کرتی ہیں کیونکہ دونوں میں ایک خاص امپیکٹ موجود ہے جو ان کے فنی اور تکنیکی اعتبار سے درست ہونے کی دلیل ہے۔" (۱۴)

فکشن کی سیڑھی فلم کو فن کی بلندیوں تک لے گئی۔ ایک نئی انڈسٹری اور دوسری طرف مستحکم انڈسٹری میں مقابلہ صرف فکشن نے ممکن بنایا۔ فکشن پر مبنی فلم کو ناظرین نے بہت سراہا۔ ۱۹۵۹ء میں ایک فلم "کرتار سنگھ" پیش کی گئی زخمی کانپوری اس فلم کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"دراصل نامور ادیب اور مشہور شاعر احمد ندیم قاسمی نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کے پس منظر میں ایک افسانہ پر میشر سنگھ لکھا تھا جسے سیف الدین سیف نے کرتار سنگھ کے نام سے فلمایا تھا۔" (۱۵)

۱۹۶۳ء کو ریلیز ہونے والی فلموں میں "باجی" اور ماں کے آنسو" ناولوں سے ماخوذ تھیں۔ " باجی " ایک عورت کی ذاتی زندگی پر کہانی ہے جبکہ " ماں کے آنسو " خالصتاً گھریلو فلم تھی۔ فلم ایک فن ہے فکشن کے قاری خواہش رکھتے ہیں فکشن کی تخلیقات کو پردۂ سیمیں پر پیش کیا جائے۔ اس طرح قارئین اور ناظرین بھی محظوظ ہوں گے اور دوسری طرف ادب کی خدمت کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ فائدہ فلم کے فن کو ہوگا فلمی صحافی یاسین گوریجہ لکھتے ہیں۔

"شباب پروڈکشن جو اب ریگولر فلمساز ادارہ بن چکا تھا نے "ماں کے آنسو" ایک گھریلو فلم بنائی جو بے حد کامیاب رہی۔" (۱۶)

مشہور معروف ناول "دیوداس" پر مبنی فلم ۱۹۶۵ء میں پیش کی گئی اس ناول کو دنیا میں کم و بیش سولہ بار فلمایا گیا ہے اس کے علاوہ دو اور فلمیں آخری اسٹیشن اور نائلہ بھی اس سال ریلیز ہوئیں۔ نائلہ کو اس سال ۸ فلم نگار ایوارڈ دیئے گیے اس فلم نے عورتوں کو بہت متاثر کیا فلمی محقق اقبال راہی فلم نائلہ کا ذکر کرتے ہوئے ضمنی طور پر اسٹیج شو لیجنڈ طارق عزیز کی فلم میں اداکاری کی ابتداء کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"بلاشبہ ۱۹۶۴ء میں ٹیلیویژن، ریڈیو، اور اسٹیج اداکار طارق عزیز پاکستان کی سلور اسکرین پر جلوہ افروز ہونے والی ایک بہترین دریافت تھی جبکہ اسی سال پاکستان کی پہلی رنگین فلم "سنگم" سینماؤں کی زینت بنائی گئی۔ تو ۱۹۶۵ء کے عشرے میں بھی سلور اسکرین پر رنگ ہی رنگ بکھر گئے کیونکہ اس سال پاکستان کی نہ بھولنے والی یادگار اور نغماتی فلم "نائلہ" نے اپنی کامیابی کے ہر جگہ جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ بلکہ پاکستان نے فلم کے شعبہ میں کامیابی اور ترقی کے اور دوسرے راستے بھی تلاش کیے" (۱۷)

دوسری دہائی کی فکشن پر مبنی آخری فلم "بدنام" تھی جو سعادت حسن منٹو کے افسانے "جھمکے" سے ماخوذ تھی اپنے زمانے کی کامیاب فلم ہے اسے ۲ ستمبر ۱۹۶۶ میں نمائش کے لیے پیش کیا گیا یہ ایک کلاسیکل فلم کا درجہ رکھتی ہے اس فلم کے مکالمے اتنے مشہور ہو ئے کہ لوگ صرف مکالمات سننے کے لیے بار بار سینما گھر کا رخ کرتے تھے پرویز انجم رقم طراز ہیں۔

"بھارت میں اس فلم کے ریکارڈ بلیک میں مہنگے داموں فروخت ہوئے بہر حال یہ فلم اپنی جملہ خوبیوں کی وجہ سے مدتوں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہدایت کار اقبال شہزاد کی "بدنام" ایک ایسی فلم تھی جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اس فلم کی اعلیٰ کہانی سعادت حسن منٹو کو نگار ایوارڈ ملا اور "بدنام" جب روس میں چلی تو انڈیا میں بھی اس کا چربہ بنایا گیا۔"(۱۸)

فلمی کائنات کا سفر فکشن کی بدولت رواں دواں رہا اور اردو فکشن نے سینما کی رونقیں بحال کر دیں۔ فلمی مسافت تیسری دہائی مین داخل ہوتی ہے تو فکشن کی بدولت فلم کا معیار مزید بلند ہوتا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں صاعقہ، زندگی اور تم میرے ہو تین فلمیں ریلیز ہوئیں فکشن پر مبنی ان فلموں میں "صاعقہ" زیادہ قابل ذکر ہے۔ زخمی کانپوری لکھتے ہیں:

"فلم صاعقہ نے اس سال ۹ نگار پبلک فلم ایوارڈ حاصل کیے جو ایک ریکارڈ تھا۔" (۱۹)

۱۹۶۹ء میں فلم "عندلیب" اور "نیلا پربت" سینما کی زینت بنتی ہیں اور اگلے سال محبت، نورین، آشنا، آخری چٹان اور افسانہ نے سلور اسکرین کو رونق بخشی فلمی محقق زخمی کانپوری رقم طراز ہیں۔

"ہدایت کار لقمان ایک بڑے ہدایت کار تھے ـــــ انہوں نے فلم افسانہ ڈاکٹر انور سجاد کے ایک افسانے پر بنائی تھی یہ بڑی کامیاب رہی لوگوں نے اسے بڑا پسند کیا تھا۔" (۲۰)

غرناطہ اور وحشی فکشن پر مبنی دو ایسی فلمیں ہیں جو ۱۹۷۱ء میں پردۂ سیمیں پر پیش کی گئیں۔ غرناطہ فلم کی کہانی میں مسلمانوں کو ان کی نشانی یاد دلائی گئی ہے ۱۹۷۲ء میں خلش اور ۱۹۷۳ء میں پیاسا اور مشہور زمانہ ناول "امراؤ جان ادا" کو فلمایا گیا یہ ناول ادب میں کلاسیکل کا درجہ رکھتا ہے اس ناول پر مبنی فلموں نے بھی ناول کی طرح بے پناہ شہرت حاصل کی اس فلم کی کامیابی نے فلم ساز کو دولت کی بارش میں نہلا دیا زخمی کانپوری لکھتے ہیں۔

"امراؤ جان ادا بڑی خوبیوں والی فلم تھی اسے لوگوں نے بار بار دیکھا۔" (۲۱)

۱۹۷۴ء میں فلم "دھماکہ" ریلیز کی گئی یہ معروف اداکار جاوید شیخ کی پہلی فلم تھی۔ فلم ابنِ صفی کے ناول پر مبنی تھی یہ سسپنس ایکشن فلم تھی اس فلم میں ابن صفی کی غزل "راہ طلب میں کون کسی کا" گائی گئی جنگ اخبار میں اس فلم کا ذکر یوں ملتا ہے

"اس فلم کے مصنف ابن صفی، ہدایتکار قمر زیدی، عکاس مدد علی مدن موسیقار لال محمد اقبال اور ایڈیٹر اسے سعید ہیں" (۲۲)

۱۹۷۵ء میں پاکستان فلمی تاریخ کی نایاب فلمیں "اک گناہ اور سہی" اور "وحشی جٹ" ریلیز ہوئیں۔ دونوں فلمیں بے مثل و بے مثال ہیں جنہوں نے عوام کو اپنے سحر میں لیا اور ساتھ ساتھ فلمی لوگوں کو بھی ایسا نوازا کہ شاید ہی کسی فلم نے ایسی شہرت دی ہو "اک گناہ اور سہی" فلم کی کہانی ایک عورت "ممی" کے گرد گھومتی ہے صبیحہ خانم کو اس کردار پر نگار پبلک فلم ایوارڈ سے نوازا گیا یونس ہمدم لکھتے ہیں۔

"صبیحہ خانم کو اک گناہ اور سہی میں تاشقند فلم فیسٹیول میں بہترین اداکارہ کا ایوارڈ دیا گیا تھا اور ۱۹۸۷ء میں حکومت کی طرف سے پرائیڈ آف پرفارمنس سے بھی نوازا گیا تھا۔" (۲۳)

سلطان راہی کا نام "گنز بک آف ورلڈ ریکارڈ" میں سب سے زیادہ فلموں میں کام کرنے کے لحاظ سئ درج ہے ان کی شہرت کا گراف احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسہ" پر مبنی فلم "وحشی جٹ" سے بلندیوں پر جا پہنچا۔ فلم نے پلاٹینیم جوبلی کی انہوں نے ۳۸ سال تک فلمی دنیا پر حکمرانی کی زاہد عکاسی رقم طراز ہیں۔

"۷۰ کے عشرے میں کہانی نویس ناصر ادیب نے احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسہ" سے ماخوذ ایک فلمی کہانی "وحشی جٹ" لکھی"۔ (۲۴)

۱۹۷۶ء میں فلم "لائسنس" پیش کی گئی اس کے ساتھ ہی چوتھی دہائی ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۶ء کا آغاز ہوتا ہے۔ ۱۹۷۸ء میں فلم "مٹھی بھر چاول" ریلیز ہوئی اس فلم مین سنگیتا کی اداکاری اور ہدایت کاری لاجواب تھی اسی لیے انھیں بہترین ہدایت کاری اور اداکاری پر ایوارڈ ملا زخمی کانپوری لکھتے ہیں۔

" اس فلم میں سنگیتا کو بہترین ہدایت کارہ کے علاوہ بہترین اداکارہ کا بھی نگار فلم پبلک ایوارڈ ملا تھا۔ نیز بہترین فلم کا ایوارڈ سنگیتا کے والد سید طیب علی رضوی کو ملا تھا جب کہ اداکار غلام محی الدین کو اسپیشل ایوارڈ سے نوازا گیا تھا ایک ایوارڈ بہترین ایڈیٹر کا بھی اسے ملا تھا۔ سنگیتا کا اس فلم کے بنانے کی وجہ سے سب بلند ہو گیا کیونکہ اسے معاشرے کے ہر طبقے نے پسند کیا تھا۔" (۲۵)

فلم "مٹھی بھر چاول" راجندر سنگھ بیدی کے ناول "ایک چادر میلی سی" پر مبنی تھا بیدی صاحب نے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا تھا کہ ان کے ناول پر پاکستان میں ایک معیاری فلم بنی۔ خاک و خوں اور مولا جٹ کو ۱۹۷۹ کو سینما کی زینت بنایا گیا سینما کی ترقی کے لیے حکومت نے ایک ادارہ "نیف ڈیک" بنایا یہ فلم اسی ادارے کے تعاون سے بنی اس فلم نے آٹھ نگار فلم ایوارڈ جیتے جن میں بہترین فلم، کہانی نویس اور مکالمہ نگار کے ایوارڈ شامل ہیں مولا جٹ ایک ایکشن فلم تھی جو Block Buster رہی لاہور میں یہ فلم تین سو ہفتوں سے زیادہ چلی پروفیسر شاہدہ قاضی رقم طراز ہیں۔

" اس دور کی نمائندہ فلم مولاجٹ جو پاکستان کی تاریخ کی سب سے کامیاب فلم ہے یہ فلم پانچ سال سے زیادہ عرصہ تک سینما گھروں میں چلتی رہی اور ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔" (۲۶)

۱۹۸۰ء میں ضمیر فلم ریلیز کی گئی ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۷ء تک ایک فلم بھی فکشن پر مبنی نہ تھی تحقیق کے مطابق یہ تمام عرصہ فلم کے زوال کا دورانیہ ہے۔ جس میں سینما کو روز بروز تنزلی کا شکار ہونا پڑا۔ یہاں تک کہ سینما مالکان نے اپنے سینما ہال بیچ دیئے فلم ساز دوسرے کاروبار کرنے میں دلچسپی لینے لگے آرٹسٹ اور تکنیک کار فلم کے فن سے بد ظن ہو گئے۔

۲۰۰۸ء میں سنگیتا نے فلم گلابو بنائی جو باقی فلموں سے نسبتاً کامیاب رہی جدید دور کا آغاز ہو چکا تھا فلم انڈسٹری اب لاہور سے کراچی منتقل ہو رہی تھی پاکستان کا معروف و مقبول چینل "ہم ٹی وی" جو فکشن پر مبنی ڈرامے پیش کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور MD پروڈکشن کے نام سے ٹی وی اور فلم کو اپنی خدمات پیش کر رہا ہے اس ادارے نے ۲۰۱۵ء میں فکشن سے ماخوذ فلم " بن روئے " پیش کی یوں عوام پھر سینما کی طرف لوٹے جدید کے عین مطابق اس فلم کو پاکستان کے علاوہ پوری دنیا میں سراہا گیا۔ ادب اور سینما کو کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں میں بنیادی عنصر فکشن پن ہے۔

ادب بہت وسیع دائرے پر محیط ہے اور سینما سے پہلے کی تاریخ رکھتا ہے فلم بنانے والے فکشن کی کہانیوں سے تحریک لیتے ہیں۔ فلمی شائقین پہلے سے پڑھی کتابوں پر بننے والی فلموں کو دوسری فلموں سے زیادہ دیکھنے پر ترجیح دیتے ہیں اس طرح قاری اور ناظر ایک تصور سے تصویر تک کا فاصلہ طے کر کے اپنے دل کو محو کر دینے والے عمل سے گزرتا ہے۔

فکشن، فلم سازی کے لیے اہم اور مفید ذریعہ ہے کیونکہ پہلے سے پڑھے ہوئے ناول یا افسانے پر بننے والی فلم کی طرف لوگ زیادہ متوجہ ہوتے ہیں فکشن ایک بنا بنایا مواد ہے۔ جو مقبول بھی ہے اور شہرت کا حامل بھی ہے یوں ایک ذرائع کی شہرت اور مقبولیت خود بخود دوسرے ذرائع کی شہرت، ترقی اور ارتقا کا سبب بنتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ Andre Bazin, What is cinema? Vol I, California: university of California press, 2005, P-17.

۲۔ Alaim Badiou, cinema, Cambridge: polity press, 2013: P-238.

۳۔ منتظر قائمی، ادب اور سینما: تعلقات و تنازعات، مشمولہ: ماہنامہ آج کل (مدیر: ابرار رحمانی) جلد نمبر ۶۹، شمارہ نمبر ۵، آجکل (اردو) پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۵ دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۵

۴۔ Khalid Alqadi, Dr, literature and cinema, Annexed: International journal of language and literature, vol 3, No1, America: American research institute for policy development, June 2015, P-45.

۵۔ منتظر قائمی، ادب اور سینما: تعلقات و تنازعات، مشمولہ: ماہنامہ آج کل (مدیر: ابرار رحمانی) جلد نمبر ۶۹، شمارہ نمبر ۵، آجکل (اردو) پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۵ دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۶

۶۔ شہناز رحمٰن، اردو فکشن تفہیم، تعبیر اور تنقید، ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶، ص ۱۵

۷۔ پرویز انجم، منٹو اور سینما، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۳۸۵

۸۔ اقبال راہی، فلمی تاریخ، سنگم پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۸ء، ص ۴۴

۹۔ علی سفیان آفاقی، فلمی الف لیلہ حصہ اول، حق پبلی کیشنز، لاہور، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۹۳

۱۰۔ سجاد احمد سجاد، فلموں کی دنیا کے ایک سو گیارہ سال ۱۹۰۴ء تا ۲۰۱۵ء، زینب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۶ء، ص ۳۵

۱۱۔ فیض احمد فیض، فلم اور ثقافت، مشمولہ: قومی زبان، شمارہ نمبر ۱۲، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۶ جون ۱۹۶۱ء، ص ۲۴

۱۲۔ اقبال راہی، فلمی تاریخ، سنگم پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۸ء، ص ۲۲

۱۳۔ فضیل جعفری، فکشن سے قلم تک، مشمولہ: اردو ادب (مدیر: اسلم پرویز)، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۶

۱۴۔ ظفر اقبال میاں، معیاری فلم سازی، قرطاس، لائلپور (فیصل آباد)، ۱۹۷۵ء، ص ۳۱۹

۱۵۔ زخمی کانپوری، یاد گار فلمیں، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص۱۵۷
۱۶۔ یاسین گوریجہ، پاکستان کی ۵۰ سالہ فلمی تاریخ سال بہ سال، مشمولہ: نگار گولڈن جوبلی نمبر (مدیر: اسلم الیاس رشیدی)، وکٹوریہ مینشن، کراچی، ۴مارچ ۲۰۰۰ء، ص۴۲
۱۷۔ اقبال راہی، فلمی تاریخ، سنگم پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۸ء، ص۹۹
۱۸۔ پرویز انجم، منٹو اور سینما، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص۴۶۱
۱۹۔ زخمی کانپوری، یاد گار فلمیں، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص۱۴۴
۲۰۔ زخمی کانپوری، یاد گار فلمیں، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص۱۶
۲۱۔ زخمی کانپوری، یاد گار فلمیں، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص۲۵
۲۲۔ ڈیلی جنگ، ۲۵نومبر ۱۹۷۲ء
۲۳۔ یونس ھمدم، یادیں باتیں فلم نگر کی حصہ دوم، فرید پبلیشرز، کراچی، مارچ ۲۰۱۸ء، ص۳۸
۲۴۔ زاہد عکاسی، سلطان راہی پاکستانی فلموں کا سلطان، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، فروری ۲۰۱۰ء، ص۷۱
۲۵۔ زخمی کانپوری، یاد گار فلمیں، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص۱۸۲
۲۶۔ شاہدہ قاضی، پروفیسر، پاکستان کی فلمی صنعت تاریخ اور ارتقا، مشمولہ: تعارف ابلاغ عامہ، صیغہ مطبوعاتی ابلاغ، شعبہ ابلاغ جامعہ کراچی، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص۲۹۳